Vol 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اشفاق احمد کے ڈراموں میں مشرقی و مغربی تہذیب کی آویزش

CONFLICTION OF EASTERN AND WESTERN CIVILIZATION IN ASHFAQ AHMAD'S PLAYS

شگفتہ خورشید

Abstract

This paper deals with the elements of conflicts between eastern and western culture and civilization in dramas of prominent playwright Ashfaq Ahmad .Ashfaq Ahmad is an all-round (multi-dimensional) personality of Urdu literature, who made his unique identity as a story writer as well. He was also a columnist, writer, editor and playwright. He made an exceptional place by the name of "Talqeen Shah" broadcasted from radio Pakistan. He is one of early playwrights of Pakistan Television. In his plays, he has described the confusions and complexities arising from social problems. (He informs about the external and internal conditions of man). (or) He reflects over subjective and objective aspects of society including inner and outer conditions of man through his writings .It has been discussed that he has shown elements of Pakistani culture in his Dramas. He loves eastern civilization. That is why, because he realized that western civilization has in slaved our new generation. To him even today, our new generation is under its influence. Somewhere in writings of Ashfaq Ahmad, the negative aspects can be seen that lead to conflict. The elements of confliction in eastern and western civilizations are shown in the plays of Ashfaq Ahmad .This conflict is also seen regarding some other aspects like language, co-education, women's freedom and religion. Ashfaq Ahmad has shown this confliction in his plays and features.

Keywords: All-round personality, Social Issues, Mental Confusion, Esoteric Conditions, Civilization, Elements, New Generation, Co-Education, Religious Aspects, Confliction.

کلیدی الفاظ: ہمہ جہت شخصیت، معاشرتی مسائل، ذہنی الجھنیں، باطنی کیفیات، تہذیب، عناصر، نئی نسل، مخلوط تعلیم، مذہبی پہلو، آویزش۔

اُردو ادب کی بعض ایسی قد آور شخصیات گزری ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی اردو ادب کے لیے ہی وقف کر دی۔ ان میں سے کچھ ایسی معتبر ہستیاں ہیں جن کی گوناں گوں مصروفیات اور خدمات نے انھیں سب سے منفرد مقام عطا کیا ہے۔ اشفاق احمد بھی انھی میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ افسانہ نگار، داستان گو، اناؤنسر، ادیب، مدیر اور ڈراما نگار رہے ہیں۔ ان کی ہر ادا سب سے الگ رہی اور یہی انداز انھیں دائمی زندگی عطا کر گیا۔

وہ بے مثال داستان گو رہے ہیں۔ ریڈیو کے 'تلقین شاہ' سے کون واقف نہیں ہے؟ انھوں نے ڈراما نگار کی حیثیت سے بھی سب سے الگ ڈگر پر چلنا پسند کیا۔ ان کے ڈرامے کے موضوعات ہمارے معاشرے کے انسانوں کے مسائل ہیں۔ ان مسائل سے پیدا ہونے والی ذہنی الجھنیں اور کیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ اپنی تہذیب و ثقافت سے محبت کرتے تھے۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے مشرقی و مغربی ادبا کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ بیرون ممالک کی ثقافت کا بھی مشاہدہ کر چکے تھے۔ ڈاکٹر آغا سہیل لکھتے ہیں:

> "اشفاق احمد ترقی پسند نہ سہی مگر دیدہ ور دانش جو تھے جو فطرت کی نمو پذیری اور ارتقاء سے بھی آگاہ تھے۔ معاشرے میں زمینی حقائق، ثقافت اور تہذیب پر یقین ہی نہیں حق الیقین رکھتے تھے۔ وہ انسان کو دابۃ الارض (کیڑے مکوڑے نہیں) بل کہ احسن تقویم سمجھتے تھے فکشن سے جو اُن کو شغف تھا تو انھوں نے مشرق اور مغرب کے مستند ادباء کے فن کا مطالعہ کیا تھا۔ ڈرامے کی بُنت میں قدیم یونانی اور قدیم ہندوستانی کلاسیک سے لے کر دورِ حال کا ڈرامے کے اجزائے ترکیبی کا غائر نظر سے مطالعہ کر کے اپنا راستہ خود بنایا۔"(۱)

پی ایچ۔ ڈی اُردو اسکالر، اوری اینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Vol 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اشفاق احمد نے انسان کی سائیکی سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔ وہ جدید نفسیاتی نظریات کے رموز و نکات سے آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ڈراموں کے کردار معاشرہ کے باہمی نظریاتی تصادم اور چپقلش سے دوچار ہیں۔ اس سے عیاں ہے کہ انھیں بعض پیش افتادہ مسائل کی گتھیوں سے آگاہی حاصل ہے۔ انھوں نے اپنے ڈراموں میں ظاہری اور باطنی دنیا کی سیر کروانے کے ساتھ ساتھ تہذیبوں کے فرق اور تصادم پر بھی قلم اٹھایا ہے۔

انھوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے شاندار ڈرامے تخلیق کیے۔ ان ڈراموں میں 'من چلے کا سودا'، 'قلعہ کہانی'، 'ننگے پاؤں'، 'حیرت کدہ'، 'توتا کہانی'، 'بند گلی'، 'شاہلا کوٹ'، 'مہمان سرائے' اور 'ایک محبت سو ڈرامے' بہت مقبول ہوئے۔ ریڈیو پر طویل پروگرام 'تلقین شاہ' کے نام سے تقریباً ۴۰ سال تک چلتا رہا۔ اس میں انھوں نے پاکستانی مسائل اور دنیا کے مسائل کو طنز و مزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔ تلقین شاہ کا کردار اشفاق احمد نے خود ادا کیا۔ اس فیچر میں بھی مختلف مسائل کے ساتھ ساتھ مشرقی و مغربی تہذیب کی آویزش کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشفاق احمد کو مشرقی تہذیب سے محبت تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستانی لوگ مغربی تہذیب کے اسیر بنیں۔ جہاں تک مغربی تہذیب کے آفادی پہلو ہیں ان کو اپنانے میں اشفاق احمد برا خیال نہیں کرتے۔ تاہم وہ مغربی تہذیب کے ایسے پہلو جو مشرقی تہذیب سے ٹکراتے ہیں وہاں ان دونوں تہذیبوں میں آویزش کی فضا نظر آتی ہے۔ اشفاق احمد کے بعض ڈراموں میں یہ آویزش بھی دکھائی دیتی ہے۔

ایک اور دستک (ڈرامے)

اشفاق احمد نے ٹیلی ویژن ڈراموں میں اپنا نام کمایا۔ اسی طرح ریڈیو پر بھی ان کا معتبر نام ہے۔ انھوں نے 'تلقین شاہ' کے علاوہ ریڈیائی ڈرامے بھی تحریر کیے۔ ان کے یہ ڈرامے پاکستان ریڈیو سے نشر ہوتے رہے۔ 'ایک اور دستک' کے نام سے ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ ان کے یہ ڈرامے مختصر گھریلو زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور زندگی سے جڑی خوب صورتی کو بیان کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۲۲ ڈراموں پر مشتمل ہے۔

شہر آرزو

انسان ہمیشہ ماضی اور مستقبل کے درمیان سفر کرتا رہتا ہے۔ حال کی اہمیت اور خوب صورتی کو فراموش کر دیتا ہے۔ ماضی کے جھروکے سے، کبھی پچھتاووں اور کبھی خوشیوں کو دیکھتا ہے۔ مستقبل کی خواہشات سے تعمیر کرتا رہتا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی 'ڈیڈی' اپنی بیوی عائشہ کے ساتھ پر سکون زندگی گزارتا ہے۔ اس کے پاس دس مرلے پر مشتمل خوش حال گھرانہ ہے۔ بچوں کے ساتھ ان کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جانوروں سے دوستی ہے۔ جب ترقی کرتے ہوئے ایک بنگلے کا مالک بنتا ہے تو اس کو وہ سکون نہیں ملتا جو اسے چھوٹے گھر میں تھا۔ اب جب اس کے بچے جوان ہیں وہ اپنی ماں عائشہ اور والد (ڈیڈی) کی شادی کی سال گرہ منانے لگتے ہیں تو ڈیڈی ماضی کی یادوں میں کھو یا دس مرلے کے گھر کا سکون یاد کر رہا ہے اور حال کو پھر فراموش کیے ہوئے ہے۔ وہ ماضی کے حسین لمحات کو یاد کرتا ہے۔ اسی میں ڈراما چلتا رہتا ہے۔ اپنے بچوں کو یاد کرتا ہے۔ ان کی مصروفیات کو دیکھتا ہے۔ ان کے مشاغل سوچ کر خوش ہوتا ہے۔ اپنی بیٹی ثمینہ سے محبت اور پیار سے پیش آتا ہے۔ اس کی دوست منیرہ سے اپنائیت سے ملتا ہے۔ ثمینہ کا کمرہ دوسری منزل پر ہے۔ اس کمرے کی کھڑکی باہر کھلتی ہے جہاں سے ایک بجلی کا کھمبا نظر آتا ہے۔ روزانہ اس کھمبے کے پاس ایک لڑکا ریاض اپنے دوست سلمان کو چھوڑنے کے لیے آتا ہے۔ ریاض اس کھڑکی سے ثمینہ کو دیکھنے کے لیے دیر تک اپنے دوست سلمان سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ خیالوں میں ثمینہ سے شادی بھی کر لیتا ہے۔ اپنے دوست سلمان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہتا ہے وہ اس کھمبے سے ہو کر رخصت نہیں ہونا چاہتا۔ سلمان ولایت جانے کے خواب دیکھتا ہے۔ اسے مغربی دنیا میں اپنی ترقی اور خوب صورتی نظر آتی ہے۔ ریاض اپنے دوست سلمان سے کہتا ہے کہ تمھیں یہ ملک اور اس کے علاقے اچھے نہیں لگتے، تو وہ کہتا ہے:

> "سلمان: اس شہر میں، اس محلے میں اور اس علاقے میں کیا رکھا ہے؟ جب کینیڈا میں مجھے مستقل سکونت کا پروانہ مل جائے گا پھر تم کو لکھوں گا کہ اصل زندگی کس کو کہتے ہیں اور فراغت اور دولت مندی کن گھنے جنگلوں میں بسیرا کرتی ہے۔

Vol 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ریاض: تجھے یہاں کے در و بام، یہاں کے دریچے اور یہاں کی دیواریں اور منڈیریں اچھی نہیں لگتیں سلمان۔

سلمان: میں اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں، میں اپنا وقت، آرام اور سکون سے بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں فراغت اور دولت کے درمیان سائنس لینا چاہتا ہوں اور یہ ساری چیزیں ولایت میں ملتی ہیں۔۔۔

سلمان: مجھے افسوس ہے کہ میں اس جگہ کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

ریاض: جب تیری شادی ہو جائے گی اور تو یہاں اپنے بال بچوں کے درمیان۔۔۔

سلمان: میں اس ملک میں شادی نہیں کروں گا۔ اس لیے نہیں کہ اس ملک کی لڑکیاں خوب صورت نہیں بل کہ محض اس لیے کہ مجھے اپنی زندگی کو جیک لگانے کے لیے اسی ملک کی لڑکی سے شادی کرنا ہو گی جہاں میں آباد ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"(۲)

ہماری نوجوان نسل کی مغربی تہذیب کی تیز روشنی سے آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ اس سے انھیں اپنے ملک کی ہر چیز دھندلی نظر آتی ہے۔ وہ یورپ کی ظاہری چمکتی تہذیب میں اپنا مقام بنانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مشرقی تہذیب کے طور طریقے انھیں دقیانوسی لگتے ہیں۔ یہاں کی حلال اور کم آمدنی پسند نہیں ہے۔ وہ مغربی لڑکی کو اپنی مشرقی لڑکی پر ترجیح اس لیے دیتے ہیں کہ وہ انھیں دولت مند بنا دے گی۔ معاشرے میں ان کو ایک بلند مقام حاصل ہو گا۔ یہ نسل اس بات کا خیال نہیں کرتی کہ یہ سطحی اور کھوکھلی تہذیب انسان کو کامیابی نہیں بل کہ تنزلی کا شکار کر دیتی ہے۔ ظاہری طور پر اس میں کشش ضرور ہے لیکن یہ انسان کی روحانیت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ رشتوں سے دور کر دیتی ہے۔ خود غرضی کا مادہ انسان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس ڈرامے میں ریاض اور سلمان کے درمیان یہی اختلاف نظر آتا ہے۔ ریاض سلمان کو اپنی تہذیب کی اہمیت بتاتا ہے لیکن سلمان کو مغرب کی چمک متاثر کرتی ہے۔

اور ڈرامے

اشفاق احمد کے تحریر کردہ ڈراموں کا مجموعہ جو پی ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہوا، یہ کتاب ۲۵ ڈراموں پر مشتمل ہے۔ اس میں 'آوارہ اور آواری'، ڈراما ٹیلی کاسٹ نہیں ہو سکا۔ اس کتاب کے بارے اشفاق احمد لکھتے ہیں:

"میں نے چند نئے ڈرامے لکھ کر انھیں 'اور ڈرامے' کا نام دیا اور ایک نئے سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ 'اور' سے میری مراد 'مزید' نہ تھی بل کہ 'طرز نو' سے تھی۔ ان ڈراموں میں کچھ اور ہی بات کا ڈول ڈالا گیا ہے اور طے شدہ جانی پہچانی روش سے ہٹ کر بات کی گئی ہے۔"(۳)

سردی اور سارو

مشرقی تہذیب میں زبان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جب مغربی تہذیب کی زبان یعنی انگریزی نے قبضہ جمایا تو انگریزی زبان سے مرعوب طبقہ اپنی دیسی زبان کو کم تر سمجھنے لگا۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں انگریزی زبان بولنے والے کو تعلیم یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے ایک مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی نینا ایک فرم میں کام کرتی ہے۔ محنتی لڑکی ہے جس کا خاوند نکما ہے۔ کام کاج نہیں کرتا۔ نینا اپنی والدہ کے پاس اپنے بیٹے ہم مفری کے ساتھ رہتی ہے۔ للی، نینا کا خاوند اسے تنگ کرتا ہے۔ جب نینا اور اس کی والدہ آئرین اسے کام کرنے کے لیے کہتی ہے تو وہ نینا سے کہتا ہے:

"للی: میں کام سے بھاگا ہوں؟۔۔۔ کبھی بھاگا ہوں میں؟ بول نینا؟ مجھے کوئی ڈھنگ کا کام ملا بھی ہو؟

نینا: کام تو کوالیفیکیشن سے ملتا ہے۔

للی: یہ مت سمجھنا نینا تمھیں کچھ کوالیفیکیشن کی وجہ سے نوکری ملی ہے۔ ذرا تمھاری شکل اچھی ہے۔ انگریزی بول لیتی ہو دو چار جملے۔ مردوں سے بات کر سکتی ہو دبا کے بغیر شرم لحاظ کے۔"(۴)

گویا انگریزی زبان دانی کو کوالیفیکیشن کا معیار قرار دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی کش مکش عموماً دیکھنے میں آتی ہے۔

قصائی اور مہنگائی

ہمارے ڈراموں میں اکثر رہن سہن ماڈرن اور مغربی طرز کا دکھایا جاتا ہے اور دوسری طرف مشرقی طرز زندگی بھی نظر آتا ہے۔ بعض اوقات ان میں تصادم نظر آتا ہے۔ اس ڈرامے میں قصائی یعقوب ایمان داری سے گوشت بیچتا ہے۔ اس کا طرز زندگی سادہ اور مشرقی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ اس کا بیٹا یوسف کالج میں پڑھتا ہے اور سرتاج اس کی کلاس فیلو ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ جن کا گھر ماڈرن مغربی طرز سے سجا ہے:

"(سرتاج کا گھر اس گھر میں زیبائش، آرائش اور جمال کے وہ تمام پہلو موجود ہیں جو آج کی ماڈرن لونگ کا تقاضا ہیں۔ اس وقت آنٹی منور اور یوسف کھڑے ہیں۔"(۵)

سرتاج اور یوسف ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں جب کہ سرتاج کا والد ایک ڈاکٹر ہے اور کینیڈا میں کام کرتا ہے۔ وہ سرتاج کی شادی ٹورنٹو ڈاکٹر سے کرنا چاہتا ہے۔ سرتاج کی والدہ منور اپنی بیٹی کی شادی پردیس میں نہیں کرنا چاہتی۔ ڈاکٹر (والد) منور کو مغربی طرز زندگی کے فوائد گنواتا ہے:

"منور: تو ہم اپنا سٹینڈرڈ آف لونگ کم کر لیں گے۔

ڈاکٹر: یہ سٹینڈرڈ آف لونگ کم بخت ایک دفعہ بڑا ہو جائے تو پھر کبھی کم نہیں ہوتا۔ منور بیگم جس طرح بچہ ایک دفعہ قد نکال لے تو پھر کاٹ چھانٹ کر بچہ نہیں بنایا جا سکتا ہے ایسے ہی سٹینڈرڈ آف لونگ کا بھی ایک بار مومینٹم پیدا ہو جائے تو پھر چل سو چل۔۔۔ آگے سے آگے۔"(۶)

سرتاج کا والد مغربی معاشرے کی خوبیاں گنواتا ہے اور والدہ اپنی بیٹی کو باہر نہیں بھیجنا چاہتی:

"ڈاکٹر: وہ لوگ، وہاں کا معاشرہ، وہاں کی wages ہمارے ملک سے بہتر ہیں۔ منور بیگم وہاں کے معاشرے میں سوشل جسٹس ہے۔ ایک شریف آدمی سیکورٹی کے خوف کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے۔ وہاں کے لوگ اتنے پنکچوئل اور وعدے کے پابند ہیں۔ کیوں سرتاج کیا خیال ہے تمھارا؟ میں تمھیں اس کی تصویر دکھا سکتا ہوں ڈاکٹر اقتدار کی۔"(۷)

بابل اور بدیس

مشرقی اور مغربی تہذیب میں جہاں اور بہت سے پہلو آپس میں ٹکراتے ہیں وہیں اولاد کی پرورش کے طریقے اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔ انیتا ایک مغربی لڑکی ہے جس کے والدین اسے بچپن میں ہی یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی تلاش خود کرے۔ آزاد رہ کر اپنا مستقبل بنائے۔ انیتا اسی جستجو میں مختلف ممالک سے ہوتی ہوئی پاکستان کے علاقوں میں سفر کرتی ہے اور دستگیر کے گھر آ جاتی ہے۔ انیتا نشہ کی عادی ہو چکی ہے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اس کا والد ایک کروڑپتی انسان ہونے کے باوجود اپنی بیٹی کو پاس نہیں رکھتا۔ وہ اپنے حالات انگریزی زبان میں بتاتی ہے اور دستگیر اپنی بیوی کو ترجمہ کر کے بتاتا ہے:

"دستگیر: یہ کہہ رہی ہے کنیز فاطمہ۔۔۔ کہ جب یہ چھوٹی تھی تو اس کی ماں اس سے کہا کرتی تھی ہمیشہ اپنی تلاش جاری رکھو۔ آزاد رہ کر اپنی جستجو کرتے رہو۔ ہم مغرب کے لوگ سب تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ گو کبھی کبھی اسی تلاش اور جستجو کی بدولت ہم تباہ بھی ہو جاتے ہیں، ٹوٹ پھوٹ بھی جاتے ہیں۔

اماں: کبھی بھی اپنی تلاش میں مارے مارے نہ پھرو بیٹی۔ اپنے مولا کی تلاش میں رہو، اپنے خالق کی۔ بنانے والا ہی بتا سکتا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ کیوں بنایا ہے۔"(۸)

Vol 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

دستگیر کا بیٹا نور اپنی والدہ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا، وہ کہتا ہے کہ مغربی لوگ ان دیکھی چیزوں پر یقین نہیں کرتے۔

”نور: آپ اسے بھی پٹھی پاڑھت پڑھائیں اماں جی۔ اس کا بھی بیڑہ غرق کریں جو بچے ماں باپ کی اطاعت کرتے ہیں ان میں initiative ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اچیومنٹ کی اس منزل تک نہیں پہنچتے جہاں خود مختار بچے پہنچ جاتے ہیں۔ آپ تو اس کو اس سے بھی بڑی اطاعت کا حکم دے رہی ہیں۔ یہ لوگ نہیں اعتبار کرتے ان دیکھی چیزوں کا۔“(۹)

مذہب کا عنصر ہی بنیادی عنصر ہے جو مشرقی اور مغربی تہذیب میں تصادم کی فضا پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے معاشرے کے لوگ یورپ کے لوگوں کے رنگ پر بھی سر دُھنتے نظر آتے ہیں۔ دستگیر کے تینوں بیٹے انیتا سے شادی کے خواہاں ہیں۔ اپنا مستقبل وہ اس کے ساتھ شادی کر کے سنوارنا چاہتے ہیں۔ جب اماں جی یعنی دستگیر کی بیوی (کنیز فاطمہ) کو پتہ چلتا ہے تو وہ غم میں کہتی ہے:

”اماں: (غم سے بیٹھتے ہوئے) ان تینوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ سفید چمڑی پر ہمارے لوگ ہمیشہ باجماعت ہی مرتے رہتے ہیں۔ یہ تو ابھی بالکل ناتجربہ کار ہیں، یہ کیسے نہ مریں گے۔“(۱۰)

مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ جہاں مغربی چیزوں کو پسند کرتے ہیں وہاں ان کی گوری رنگت کو بھی للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مشرق میں ایسی صورت حال بھی تصادم بنتی ہے جب نئی نسل مغربی لڑکی سے شادی کی خواہش رکھے اور بڑے ان کو منع کرتے ہیں۔ دستگیر کا بیٹا جہانگیر بھی شادی کرنا چاہتا ہے انیتا سے تو والد کہتا ہے:

”دستگیر: تم تو انیتا سے شادی کر کے مائیگریٹ کرنا چاہتے ہو سٹاک ہوم میں۔۔۔

جہانگیر: یہ مغربی آدمیوں سے بہت متنفر ہو چکی ہے، اسے ان پر اعتماد نہیں رہا، بالکل بھی۔۔۔ ہم لوگوں کو زیادہ پسند کرتی ہے۔

دستگیر: اور مشرقی آدمیوں کا بھرم تم کھول دینا چاہتے ہو۔“(۱۱)

دستگیر کے بیٹے سلیم کو بھی مغربی زبان اور کلچر پسند ہے۔ وہ خود کو پسماندہ قرار دیتا ہے۔ اپنی بہنوں کے بارے کہتا ہے کہ وہ انگریزی کا ایک جملہ نہیں بول سکتیں۔ اپنے خاندان کو Backward قرار دیتا ہے۔ والد کو اس کی یہ باتیں پسند نہیں ہیں:

”ابا: تمھاری تعلیم کسی سے کم نہیں ہے۔ تم کیمسٹری میں ایم۔ ایس سی کر رہے ہو۔۔۔

سلیم: صرف پڑھائی سے کچھ نہیں ہوتا اباجی! جب تک کلچرل ریفائنمنٹ نہ ہو۔ ہم لوگ اپنے رشتہ داروں میں پینڈو لگتے ہیں، بیوقوف لگتے ہیں۔ ہمارا رہن سہن، بولنا چالنا سب گنوار جیسا ہے۔

ابا: اور تم انیتا سے شادی کر کے اپنا احساس کمتری مٹانا چاہتے ہو۔“(۱۲)

دستگیر کو اپنی تہذیب سے پیار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مغربی تہذیب کی پروردہ انیتا زیادہ دیر اُن کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ آخر میں جب انیتا پاکستان سے اور دستگیر کے گھر سے جانے لگتی ہے تو جہانگیر بھی سمجھ جاتا ہے کہ مشرقی اور مغربی تہذیب ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتیں:

”جہانگیر: ان کی تہذیب اور، ہماری اور۔ یہ کب تک ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔“(۱۳)

مشرقی اور مغربی تہذیب میں بُعد قائم رہے گا اگرچہ مشرقی لوگوں نے مغربی تہذیب کے بہت سے پہلوؤں کو قبول کر لیا ہے۔

عارف اور سکندر

اس ڈرامے میں ملٹی کلچر دکھایا گیا ہے۔ دیہاتی اور شہری زندگی کے ساتھ ساتھ ماڈرن تہذیب کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ سکندر کی بیوی ایک ماڈرن تہذیب کی دلدادہ ہے۔ ان کا بیٹا تقریباً ۱۲ سال کا ہے جسے ڈرم بجانے کا شوق ہے اور تعلیم میں توجہ نہیں دیتا۔ والد سکندر پریشان ہے۔ وہ اپنی بیوی کو اپنے بیٹے کی طرف توجہ دینے کے لیے کہتا ہے۔ سکندر کو

Vol 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اپنا پڑھائی کا زمانہ یاد آتا ہے جب وہ بھی پڑھنے کی طرف مائل نہیں تھا لیکن اس کی استانی مس عزیز اسے سمجھاتی ہے کہ بڑا آدمی بننے کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے دوسروں کی نقطہ چینی اور رکاوٹوں کی پرواہ کیے بنا آگے بڑھتے رہو۔ ان کی اس بات پر عمل کرتے ہوئے آج عارف ایک امیر شخص بن چکا ہے۔ مس عزیز ریٹائرمنٹ کے بعد خانیوال سے چار پانچ میل کے فاصلے پر ڈیرہ تاج کے صحن میں بچوں اور بڑوں کو تعلیم دینے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ یہاں کی دیہاتی زندگی کے اپنے مسائل ہیں۔ ان کے مسائل شہروں کے مقابلے میں مختلف ہیں تاہم وہ انگریزی تہذیب اور زبان کو استعمال نہیں کرتے، اس کی بالادستی سے واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی کی فراہمی کے بندوبست کے لیے مس عزیز کو درخواست لکھنے کے لیے کہتے ہیں کہ انگریزی زبان میں لکھو کہ رعب پڑے، اردو میں تو بارہا درخواستیں دیں اثر نہیں ہوا۔

”دیہاتی نمبر ۱: مہربانی والی عرضیاں تو بہت لکھی ہیں۔ اس بار کڑکا کے عرضی لکھیں، رعب دے کر۔

دیہاتی نمبر ۲: خواہ مخواہ کڑکا کے لکھیں۔ اوئے ہمارا کوئی سوہرا گھر ہے کہ کڑکا کے لکھیں۔ مس جی عرضی انگریزی میں ہو اور تگڑے تگڑے حرف ہوں انگریزی کے۔

فقیر محمد: نہیں نہیں اوئے ہے کہ نہیں اُلو۔ یہ عرضی اردو میں ہونی چاہئے۔ ہم کو کیا پتہ لگے گا کہ عرضی میں کیا لکھا ہے۔

عزیز: اچھا جی تو عرضی انگریزی میں ہو۔

بوڑھا: بالکل۔ پتر اوئے بالکل۔ اپنی حکومت کی بول جو انگریزی ہوئی۔ اگر اردو میں لکھی تو اسے سمجھ کیسے آئی گی ہماری ڈنگروں کی بات!“(۱۴)

مغربی تہذیب نے انگریزی زبان کو بھی مشرق پر لاگو کر دیا ہے جس سے آج تک چھٹکارا نہیں ہو سکا۔

فرماں اور بردار

سرفراز ایک ذہین انسان ہے اور اس کے والد امیر اور دین دار انسان ہیں۔ اسے اپنی حیثیت لوگوں پر ظاہر کرنے کا بڑا شوق ہے۔ خورشید بیگم سرفراز کی والدہ امیر خاتون ہے اور اسے اپنی امیری پر ناز ہے۔ امی کا گھر امیرانہ طرز کا سجا ہے۔ مشرقی اور مغربی کلچر و تہذیب کی جھلکیاں گھر کی سجاوٹ سے عیاں ہیں۔ سرفراز نے سی ایس ایس کا امتحان پاس کیا ہے تو گھر بھر کو بہت خوشی ہے۔ اس خوشی میں سرفراز کے دادا کسی شاندار ہوٹل میں فنکشن کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ ابو حشمت سرفراز کے والد گھر پر ہی فنکشن کرنے کے خواہاں ہیں۔ لیکن سرفراز کو ان تمام باتوں سے خاص دل چسپی نہیں ہے وہ ذہین اور شریف لڑکا ہے جو اپنی اقدار کو پسند کرتا ہے۔ تاہم مغربی تہذیب، اس کے ترقیاتی پہلوؤں پر بھی غور کرتا ہے۔ سرفراز ایک گھڑی ساز کے پاس جاتا ہے وہ ایک ذہین انسان ہے۔ سرفراز کو مذہب کے بارے بتاتا ہے اور اخلاقیات و ثقافت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مغربی تہذیب پر طنز کرتا ہے:

”سرفراز: سوشیالوجی اور انتھروپولوجی کے علوم اس بحث کو کبھی کے طے کر چکے ہیں۔ بڑی ریسرچ ہو چکی ہے ان پر اب تک۔

گھڑی ساز: یورپ کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ مہمل اور بے معنی اور بے ہودہ ترین نظریے کو بھاری بھرکم اصطلاحات اور لایعنی ٹرمینالوجی میں اسی طرح چھپا جاتا ہے کہ ہر شخص خواہ مخواہ مرعوب ہو جاتا ہے۔ یورپ کی مالی اور فوجی طاقت اور سب سے بڑھ کر اس کے اپنا علم پھینکنے کے ذرائع اس قدر طاقت ور ہیں سرفراز میاں کہ ہر نگاہ خیرہ اور ہر دماغ شل ہے۔

سرفراز: لیکن دیکھ لیجیے وہ لوگ کہاں پہنچ گئے اور آپ کہاں بیٹھے ہیں؟

Vol 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

گھڑی ساز: (ہنس کر) ٹھیک بالکل ٹھیک بیٹھے ہیں۔۔۔ لیکن سائنس کی جتنی بھی ایجادات ہیں یہ نفسانی خواہشات کو تسکین دینے والی ہیں۔ یہ ڈیجیٹل گھڑیاں، یہ ہائی فائی میوزک، یہ الیکٹرک مساجر، یہ بے پائلٹ کے جہاز، یہ ایر ٹو ایر میزائل، یہ سب انسان کو بھونچکا کر دیتی ہیں، عقل گم کر دیتی ہیں۔ ان کے سامنے لوگوں کے ذہن بند ہو جاتے ہیں اور وہ حسی مشاہدے کو ہی عقلی دلیل سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جب اس جادو گری کا بچھڑا بولنے لگتا ہے تو ہر شخص سامری کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ (ہنس کر) اور تو اور آپ کے پروفیسر بشیر بھی اس بچھڑے کے پجاری ہیں۔"(۱۵)

سرفراز گھڑی ساز کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے اور وہ دینی مدرسہ جوائن کرنے کا سوچتا ہے جب کہ اس کا خاندان اسے بڑے عہدے پر دیکھنا چاہتا ہے۔ دادا اسے فارن سروس کے لیے کہتا ہے۔ جس تہذیب نے سرفراز کی پوری فیملی کو مرعوب کیا ہے یعنی مغربی تہذیب۔ سرفراز اسی تہذیب کے کھوکھلے پن کو جان چکا ہے۔ وہ اپنے مذہب اور کلچر کو ہی اوّلیت دینے لگا ہے جس سے اس کا خاندان اس سے ناراض ہے۔ والدہ عاملوں سے تعویز کرواتی ہے۔ والد پروفیسرز سے مشورے کرتا ہے۔ سرفراز کو سمجھاتے ہیں لیکن وہ صرف پیش امام بننا چاہتا ہے۔ دینِ اسلام کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہے۔

من چلے کا سودا

'من چلے کا سودا' اشفاق احمد کا کامیاب اور مشہور ڈراما ہے۔ اس میں ایک امیر ترین شخص 'ارشاد' ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ وہ اپنے خدا کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اپنے اندر اٹھنے والے سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لیے مختلف پیشے کے لوگوں سے ملتا ہے۔ موچی، خاکروب، ڈاکیا سے ملاقات کرتے ہوئے اللہ کی اور اپنی معرفت کی تلاش کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں فزکس اور صوفیا، مذہب اور سائنس کے درمیان تعلق کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل میں مصنف اشفاق نے اس میں اپنی الجھنوں کو بیان کیا ہے۔ وہ صوفیا اور سائنس دانوں کی کھوج اور منزل کے بارے لکھتے ہیں:

"صوفی اور سائنس دان میں اتنی طویل ہم سفری کے باوجود اور ایک ہی منزل کی کھوج میں بڑھنے کے باوصف جو ایک نمایاں فرق ہے وہ یہ ہے کہ تصوف میں زندگی کا چلن ہی علم کا مظہر بن جاتا ہے اور حسیات سے ماورا تجربات میں سے گزرنے والا فرد سارے کا سارا تغیر و تبدیل ہو جاتا ہے لیکن سائنس دان ان ماورائی واردات سے متاثر نہیں ہوتا اور ایک معروضی انداز میں ویسے کا ویسا کھڑا رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سائنس دان بل کہ سارے بڑے بڑے سائنس دان اپنی قائم کردہ تھیوریوں کو تہذیبی، ثقافتی، روحانی اور اجتماعی رنگ عطا نہیں کر سکے۔"(۱۶)

ارشاد تین فیکٹریوں کا مالک تعلیم یافتہ انسان ہے۔ وہ کئی سال لندن میں رہا ہے۔ وہیں مارتھا نامی عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ اس سے ان کے دو بچے بھی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے۔ ارشاد کے پاس ہر سہولت موجود ہے اس کے باوجود وہ اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ وہ ایک الجھا ہوا انسان ہے۔ وہ خدا کی تلاش میں ہے۔ اس کی ماں پریشان ہے۔ دوست احباب اسے ماہر نفسیات سے رجوع کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی پروردہ مارتھا لندن میں ہے۔ طلاق ہونے کے باوجود ارشاد کو فون کرتی ہے۔ وہ ارشاد کے پاس پاکستان آ کر رہنا چاہتی ہے۔ جب کہ مذہب اسلام اسے اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی مشرقی تہذیب اسے قبول کرتی ہے۔ ارشاد فون پر مارتھا سے بات کرتا ہے تو والدہ دریافت کرتی ہے:

"ماں: کیا ہوا؟ کیا کہتی ہے مارتھا؟
ارشاد: پاکستان آنا چاہتی ہے۔۔۔ اور میرے پاس رہنا چاہتی ہے کچھ دیر کے لیے۔
ماں: کیا کہا؟
ارشاد: ان کے ملک میں یہ عام بات ہے ماں۔۔۔ لوگ بغیر شادی کے ساتھ رہتے ہیں وہاں۔"(۱۷)

Vol 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اگرچہ مغربی تہذیب نے ہر پہلو سے مشرقی تہذیب کو متاثر کیا ہے۔ مغربی تہذیب کا گہرا اثر نظر آتا ہے لیکن مذہبی لحاظ سے اور عورت کی اس قدر آزادی اور فحاشی سے مشرقی تہذیب سے کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ ان امور میں ان کے درمیان آویزش ہر دور میں رہی ہے اور رہے گی۔

مومنہ اس ڈرامے کا ایسا کردار ہے جو اپنی گھریلو پریشانیوں اور ذہنی الجھنوں میں الجھ کر عجیب حرکات کرتا ہے۔ مومنہ کی شادی عدیل نامی لڑکے سے ہوتی ہے۔ عدیل ایک ماڈرن تہذیب کا پروردہ ہے۔ آزاد ماحول میں پلا بڑھا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو بھی ماڈرن بنانا چاہتا ہے۔ بیوی (مومنہ) نے لمبے بال رکھے ہیں وہ مشرقی تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے۔ سر پر دوپٹہ رکھتی ہے، سر پر دوپٹہ رکھنا اور مکمل لباس پہننا اور بالوں کی چٹیا کرنا پاکستانی تہذیب کا حسن ہے۔ جب مغربی تہذیب کو پسند کرنے والوں سے سامنا ہوتا ہے تو ٹکراؤ ہوتا ہے۔ مومنہ ارشاد صاحب کو اپنی طلاق کے متعلق اور اپنے شوہر عدیل کے متعلق بتاتی ہے کہ اس کا شوہر عدیل اس کے لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عدیل یہ بھی چاہتا ہے کہ ایک عورت کو اپنی ذمہ داریوں اور گھر کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ اس پر عدیل اسے بنیاد پرست بھی کہتا ہے۔ مومنہ اپنے شوہر کی خاطر خود کو بدلنے کے لیے تیار ہے۔ اسی لیے وہ بال کٹوا دیتی ہے لیکن اسے اس کا بہت افسوس ہے۔ اس کی سہیلی رانی اسے سمجھاتی ہے:

رانی: تیری قسمت بڑی اچھی ہے مومنہ! دیکھ تو کیسا شوہر ملا ہے۔ پورا کوالیفائیڈ انجینئر۔۔۔ امیر۔۔۔ ایک چٹیا کا افسوس کر رہی ہے۔
اگر میں تیری جگہ ہوتی تو ساری کی ساری بدل جاتی، سر سے پاؤں تک۔۔۔ جسم سے روح تک۔۔۔"(۱۸)

مومنہ خود کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔ مغربی موسیقی سنتی ہے۔ عدیل ایک طرف اپنی بیوی کو مغربی طرز کا دیکھنا چاہتا ہے دوسری طرف اسے وہ اپنی مرضی کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں میں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ مومنہ عدیل سے مخاطب ہے:

"مومنہ: دیکھئے عدیل! میں آپ کو Pinch نہیں کرنا چاہتی لیکن آپ مجھ میں بیک وقت دو عورتوں کی آرزو رکھتے ہیں۔ میں باہر سے ماڈرن، تعلیم یافتہ، آڈونٹ کیر قسم کی لگوں اور اندر میں نانی اماں کو بٹھائے رکھوں دل میں۔ کیا آپ متضاد باتوں کی آرزو نہیں کر رہے مجھ سے؟
عدیل: ہر چیز کی کوئی Limit ہوتی ہے مومنہ! مومنہ وے آف لائف کتے کی زنجیر ہے عدیل۔۔۔ جب آپ اسے گلے میں ڈال لیتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ ساتھ بھی چلنا پڑتا ہے۔"(۱۹)

اس ڈرامے کا مرکزی کردار ارشاد مومنہ کی ساری گفتگو سن کر کہتا ہے کہ عدیل اچھا آدمی نہیں تھا تو وہ اسے کہتی ہے کہ عدیل خراب نہیں تھا۔ وہ مشرقی اور مغربی تہذیب کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا تھا:

"مومنہ: عدیل خراب آدمی نہیں تھا سر۔ وہ بھی عبوری دور کے ہر آدمی کی طرح دو چاہتوں کا مریض تھا۔ نہیں سر، میرا مسئلہ عدیل نہیں ہے۔ وہ اچھا تھا، ساری باتوں کے باوجود، صرف وہ دو تہذیبوں کو بیک وقت چاہتا تھا۔
ارشاد: پھر تمھارا مسئلہ کیا ہے؟ تم مجھ سے کیا پوچھنے آئی ہو؟ سوال کیا ہے جو تمھیں ستائے جا رہا ہے؟
مومنہ: سر اگر مغرب کے لوگ مجھے بنیاد پرست کہیں، مجھے گالی دیں مسلمان ہونے کی تو مجھے ذرا بھی برا نہیں لگے گا۔ لیکن میرے اپنے ملک میں یہاں جہاں سب مسلمان ہیں، اگر وہ مجھے Fundamentalist کہتے ہیں تو پھر طعنہ دینے والے کون ہیں!۔۔۔ میرے ساتھ وہ اپنے دادا، نانا، تایا، بڑے ابا، اپنے سارے پچھلوں کو کیا سمجھتے ہیں۔۔۔۔ اس ساری تاریخ کو کیا سمجھتے ہیں۔۔۔ ان اوّلون اور سابقون کو کس مقام پر رکھتے ہیں۔"(۲۰)

Vol 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مغربی تہذیب کی ظاہر خوب صورتی اور چکا چوند نے مشرقی تہذیب کو متاثر ضرور کیا ہے، مکمل طور پر مشرقی تہذیب کو ختم نہیں کر سکتی۔اس ڈرامے کے کردار بھی مغربی تہذیب سے متاثر ضرور ہیں تاہم وہ اس کو کلی طور پر اپنا نہیں سکتے۔جس کی وجہ سے بعض موقعوں پر ذہنی الجھن کا شکار ہیں اور دو تہذیبوں میں متصادم فضا نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ آغا سہیل احمد،ڈاکٹر،اشفاق احمد،بے مثل داستان گو،مشمولہ،ادب لطیف،اشفاق نمبر،شمارہ ۵،مئی ۲۰۰۵ء،لاہور:مکتبہ جدید پریس،۲۰۰۵ء،ص ۱۸

۲۔ اشفاق احمد،شہر آرزو،مشمولہ،ایک اور دستک،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،ص ۴۸

۳۔ اشفاق احمد،اور ڈرامے،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،ص ۱۱۴۸

۴۔ اشفاق احمد،سردی اور سارو،مشمولہ،اور ڈرامے،ص ۹۵

۵۔ اشفاق احمد،قصائی اور مہنگائی،مشمولہ،اور ڈرامے،ص ۱۲۴۔۱۲۵

۶۔ ایضاً،ص ۱۲۸

۷۔ ایضاً،ص ۱۳۰۔۱۳۱

۸۔ اشفاق احمد،بابل اور بدیس،مشمولہ،اور ڈرامے،ص ۲۶۲،۲۶۳

۹۔ ایضاً،ص ۲۶۳

۱۰۔ ایضاً،ص ۲۸۸

۱۱۔ ایضاً،ص ۲۸۹

۱۲۔ ایضاً،ص ۲۹۰

۱۳۔ ایضاً،ص ۲۹۴

۱۴۔ اشفاق احمد،عارف اور سکندر،مشمولہ،ارو ڈرامے،ص ۴۰۸

۱۵۔ اشفاق احمد،فرماں اور بردار،مشمولہ،اور ڈرامے،ص ۵۱۵۔۵۱۶

۱۶۔ اشفاق احمد،من چلے کا سودا،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،ص ۷

۱۷۔ ایضاً،ص ۶۴

۱۸۔ ایضاً،ص ۱۲۳

۱۹۔ ایضاً،ص ۱۲۴

۲۰۔ ایضاً،ص ۱۲۵